شیخ عبدالفتاح ابو غدہ

مولانا بدرالحسن القاسمی ایڈیٹر الداعی
استاذ دارالعلوم دیوبند

عصر حاضر کے بلند پایہ عالم دین اور نامور محدث شیخ عبدالفتاح ابو غدہ جو ابھی چند ہفتے کے لئے ہندوستان آئے ہوئے تھے اہل علم کے حلقے میں کسی تذکرہ و تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ع

البیت یعرفہ والحل والحرم

ان کا شمار صف اول کے محدثین اور بالغ نظر اور دقیقہ رس مصنفین و محققین میں ہوتا ہے۔ ان کی سطح کے علماء اس وقت عالم اسلام کے اندر چند ہی ہوں گے۔ ان کی گرانقدر اور فاضلانہ تصانیف کو ارباب علم کی نظر میں بڑا قبول و اعتبار حاصل ہے۔ ان کا بڑے سے بڑا معاند بھی ان کی تصانیف کو دیکھ کر ان کی دقت نظر، علمی تبحر اور رسوخ فی العلم، سے انکار نہیں کر سکتا۔

حدیث، اصول حدیث، فقہ اور اصول فقہ سے ان کی واقفیت بڑی گہری ہے ان کا ذوق تحقیق اتنا بلند اور پاکیزہ ہے اور مطالعہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے جسکی نظیر کم ملتی ہے۔ ان کی مستقل تصانیف تو چند ہی ہیں لیکن جس کارنامہ نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے اور ان کو موجودہ علماء اور محققین کے درمیان خصوصی امتیاز کا حامل بنا دیا ہے۔ وہ ان کا تحقیق و تعلیق (ایڈیٹ) کا کام ہے شیخ کے استاذ علامہ کوثری کے بارے میں شیخ ابو زہرہ نے صحیح لکھا ہے کہ ان کی تعلیقات کیوجہ سے اصل کتاب کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ استاذ کی یہ خصوصیت شیخ ابو غدہ کی تعلیقات میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔

شیخ ابو غدہ نے بیسیوں نادر کتابوں کو اپنی گرانقدر تعلیق و تحقیق کے ذریعہ زندہ جاوید بنا دیا ہے اور ان کو حیات نو بخشی ہے۔ کسی کتاب پر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کا نام محقق (ایڈٹ کنندہ) کی حیثیت سے آجانا ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ کتاب اپنے موضوع پر اہم اور بلند پایہ ہے۔

شیخ ابو غدہ سوری الاصل (شام کے رہنے والے) ہیں حلب ان کا مولد ہے۔ ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی اور شروع سے غیر معمولی شغف و انہماک کے ساتھ اور سینکڑوں شیوخ کی خدمت میں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ لیکن ان کی علمی زندگی کا سب سے اہم اور قیمتی زمانہ اور خود ان کی نظر میں حاصل زندگی چھ سال

کی وہ مدت ہے جو انہوں نے قاہرہ میں شیخ زاہد کوثری کی خدمت میں گذاری، ان کی زندگی پہ اگر رنگ کسی استاد کا قائم ہوا تو علامہ کوثری کا۔ ذوق تحقیق انہیں ملا ہے تو کوثری سے، وسعت نظر اور دقت رائے حاصل ہوئی ہے تو علامہ کوثری کے فیض صحبت سے۔ تمام علوم میں بلا شرط و قید وہ علامہ کوثری کو اپنا استاذ مانتے اور ان کے علم و فضل اور تبحر کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

علامہ کوثری کے علاوہ سینکڑوں ائمہ فن اور اساتذہ حدیث سے انہیں ملنے اور اخذ و استفادہ کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس لئے ان کے ذہن میں بڑا توازن اور فکر و نظر میں غیر معمولی اعتدال ہے۔ علامہ کوثری کے یہاں بعض امور میں جو تیزی اور شدت تھی ان کے بارے میں شیخ ابوغدہ کا رویہ بڑا معتدل اور متوازن ہے وہ اپنی طرف سے بعض الزامات کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

نعم إني تلميذ الكوثري رحمة الله۔ كما إني تلميذ غيره من العلماء الكثيرين في بلدي حلب وغيرها من بلاد الشام ومكة المكرمة والمدينة المنورة ومصر والهند وباكستان والمغرب تلي من الشيوخ قرابة مائة شيخ تلقيت عنهم واخذت منهم وكل واحد منهم له مذهبه ومشربه وما التزمت قول احد منهم لانه شيخي واستاذي بل التزم ما رأه صوابا واعتقده حقا او راجحاً وقد احضر في ذلك او اصيب كشأن كل طالب علم فدعواهم اني ملتزم بكل ما يقوله الكوثري دعوى باطلة بردها عليهم تعليقاتي ونقول الكثيرة في كتبي والكتب التي خدمتها وحققتها وهي في ايدي الناس۔ کلمات ص۳۲

بعض لوگ میرے خلاف لوگوں کے جذبات بھڑکانے کیلئے کہتے ہیں کہ میں کوثری کا شاگرد ہوں، یقیناً میں شاگرد ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے جسطرح کہ میں کوثری کے علاوہ دوسرے اور بھی بہت سے علماء کا شاگرد ہوں، میں نے تقریباً سو علماء سے علم حاصل کیا ہے، اور میں اپنی اس توفیق وسعادت پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں ان سو میں میرے وطن حلب اور شام کے دوسرے شہروں کے علاوہ مکہ کرمہ، مدینہ طیبہ، مصر، ہندوستان، پاکستان، مغرب (مراکش) ہر جگہ کے علماء شامل ہیں۔ ان سب سے میں نے اخذ و استفادہ کیا ہے۔

ان میں سے ہر ایک کا الگ اپنا ذوق اور اپنا الگ مشرب رہا ہے ان میں سے کسی کے قول کا میں محض اس بناء پر پابند نہیں ہوں کہ وہ میرے شیخ یا استاذ ہیں بلکہ میں وہی رائے اختیار کرتا ہوں جو میری نظر میں صحیح اور درست ہو۔ جو کبھی غلط بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ ہر طالب حق کی رائے کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ میں علامہ کوثری کی رائے کی تائید کرتا ہوں غلط ہے جس پر ہماری تصنیفات اور تعلیقات شاہد ہیں۔

ان کے علمی کارناموں پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ شیخ کی بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ وہ اپنے غیر معمولی علم وفضل کیساتھ انتہائی متواضع ہیں اور شہرت وعظمت کے آخری مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی وہ اپنے آپکو ایک طالب علم ہی سمجھتے ہیں۔ انہیں اپنے سے کسی کم حیثیت اور علم اور عمر میں کم سے کم تر شخص سے بھی اخذ واستفادہ میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا۔ یہ ان کی ایک ایسی خصوصیت ہے جس نے ان پر علم وفضل کے دروازے کھول رکھے ہیں اور اسکی وجہ سے خداوند قدوس نے انہیں اپنی خصوصی رحمتوں سے نواز رکھا ہے۔ اپنی اس خصوصیت میں وہ بالکل سلف صالحین کے نقشِ قدم پر ہیں۔ ہندوستان وپاکستان کے تقریباً سبھی قابلِ ذکر اور سربرآوردہ علماء کو وہ اپنے مشائخ اور اساتذہ کی صف میں شمار کرتے ہیں۔

ہندوستانی علماء سے ان کی واقفیت بھی غیر معمولی ہے اور ان کے علم وفضل کے وہ صحیح قدرشناس بھی ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ مولانا ادریس کاندھلویؒ مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مفتی مہدی حسن شاہجہانپوریؒ کو تو باقاعدہ انہوں نے اپنے شیوخ اور اساتذہ کی صف میں شامل کر رکھا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ان حضرات کے علم وفضل سے انہوں نے اخذ واستفادہ بھی بے پناہ کیا ہے۔ موجودہ علماء میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کے علم وفضل کے بے حد معترف اور مداح ہیں ان کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ بالکل استاد وشاگرد جیسا ہے۔

اس کے علاوہ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہم سے بھی ان کے مراسم بے حد مخلصانہ اور دوستانہ ہیں۔ یوں تو وہ ان میں سے ہر ایک کے پایہ شناس اور علمی حیثیت سے واقف ہیں لیکن قریب تر زمانہ کے علماء ہند کی تین شخصیتوں کا نقش ان کے ذہن ودماغ پر غیر معمولی ہے

۱۔ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محل ۲۔ حضرت امام العصر علامہ انورشاہ کشمیریؒ ۳۔ مولانا محمد حسن سنبھلی

ان ہرسہ حضرات اکابر کے تو وہ گویا عاشق زار ہیں۔ مجھ سے انہوں نے خود ہی اپنا یہ لطیفہ بیان فرمایا کہ کسی نے ان سے کہا کہ مولانا عبدالحی صاحب نے کوئی اولاد نرینہ نہیں چھوڑی تو انہوں نے بے ساختہ کہا کہ "میں ان کی نرینہ اولاد ہوں"۔ اس غیر معمولی تاثر کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے مولانا فرنگی محل کی الرفع والتکمیل، الاجوبۃ الفاضلہ، اقامۃ الحجہ اور تحفۃ الاخبار کو تحقیق وتعلیق کیلئے منتخب کیا اور ان کتابوں کو بڑے آب وتاب سے شائع کیا۔ اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ان کی تعلیقات نے ان کتابوں کی قیمت وافادیت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہے۔

امام العصر علامہ انورشاہ کشمیری کی کتاب التصریح بما تواتر فی نزول مسیح کو بھی اپنی گرانقدر تعلیقات سے آراستہ کر کے انہوں نے شہرۂ آفاق بنا دیا ہے۔ اپنے استاذ کیطرح ان کا بھی یہ یقین ہے کہ مولانا انورشاہ کشمیری کے پایہ کا عالم علامہ ابن الھمام کے بعد مسلمانوں میں پیدا نہیں ہوا

التصریح اب رہتی دنیا تک اہل علم کیلئے ایک اہم علمی مرجع کی حیثیت رکھے گی اور اہل علم علامہ انور شاہ کے علمی تبحر کے ساتھ شیخ ابوغدہ کی محنت اور انکی تعلیقات کی افادیت کو محسوس کرتے رہیں گے۔

کتاب کے شروع میں علامہ انور شاہ کا مفصل تعارف بھی انہوں نے شامل کیا ہے۔ جو سے ماخوذ ہے اور نہایت عقیدت و احترام کے جذبے سے لکھا ہوا ہے۔

انہوں نے مولانا انور شاہ صاحب کی التصریح کے علاوہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے مقدمہ اعلاء السنن کو بھی مستقل کتاب کی صورت میں اور حسب عادت اپنی گرانقدر تحقیق و تعلیق کے بعد بڑے آب و تاب سے شائع کیا ہے اور اس کا نام قواعد فی علم الحدیث رکھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے علماء بلکہ دارالعلوم کے در و دیوار تک سے انہیں بڑا والہانہ لگاؤ ہے وہ اپنے آپ کو اسی ادارے کا ایک فرد سمجھتے ہیں۔

جنوری کے اواخر میں جب میں جغرافیہ کانفرنس میں شرکت کیلئے جامعۃ الامام محمد بن سعود کی دعوت پر ریاض گیا ہوا تھا تو شیخ کے مکان پر بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تھی، بڑی محبت سے ملے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا رسالہ الانصاف فی سبب الاختلاف جسے انہوں نے اپنے مختصر حواشی کے ساتھ شائع کیا ہے اس کا ایک نسخہ عنایت فرمایا۔ اسی ملاقات میں انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بلند پایہ تصنیف فتح الملہم کے مقدمے پر اپنی تحقیق و تعلیق کا مسودہ دکھلایا جو انہوں نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ تیار کیا ہے اور عنقریب زیور طبع سے آراستہ ہونے ہی والا ہے۔ اس کا نام انہوں نے "مبادی علم حدیث واصولہ" رکھا ہے اور اسے مستقل کتاب کی حیثیت دیدی ہے۔

فن حدیث و اسماء الرجال کی اہم اور نادر کتابوں کے جمع کرنے کا انہیں بے حد شوق ہے۔ ان کا ہر سفر علمی تحقیق و جستجو یا کسی کتاب کی دریافت کی غرض سے ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں جمع کر لی ہیں۔ علامہ کوثری کیطرح دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود مخطوطات کے بارے میں انکی معلومات بے حد وسیع ہیں۔

مذکورۃ الصدر کتابوں کے علاوہ انہوں نے حارث محاسبی کی رسالۃ المسترشدین، امام قرافیؒ کی الاحکام فی تمیز الفتاوی عن الاحکام، ملا علی قاریؒ کی المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، حافظ ابن قیم کی المنار المنیف اور متعدد دوسری کتابوں کو تحقیق و ایڈٹ کے بعد شائع کیا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے علمی کارناموں میں فتح باب العنایۃ مسالۃ خلق القرآن، صفحات من صبر العلماء والرسول المعلم قابل ذکر ہے۔

قوتِ حفظ غیر معمولی ہے ہمہ وقت کسی علمی مسئلہ کی تحقیق میں مشغول رہتے ہیں اگر کسی کی زبان سے کوئی اچھا شعر بھی سن لیتے ہیں تو اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جس شخص سے باقاعدہ ایک دفعہ بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اسے تا عمر نہیں بھولتے۔

کچھ عرصہ شام کی حکومت کے لادینی رجحانات کے خلاف جدوجہد کی وجہ سے قید و بند کی زندگی بھی گذاری عرصہ سے سعودی عرب میں مقیم ہیں جو اس وقت اہل علم کا مرکز اور تمام اعیان علم و فضل کیلئے ماویٰ و ملجا کی حیثیت رکھتا ہے۔ کچھ دنوں مدینہ طیبہ میں رہے، اس وقت ریاض میں مقیم ہیں۔ پہلے جامعۃ الامام محمد بن سعود کے کلیۃ الشریعہ سے وابستہ تھے، اب کلیۃ اصول الدین کے مایہ ناز اور قابل فخر استاذ کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور درس حدیث کے علاوہ دراسات علیا کے طلبہ کے تحقیقی کاموں کی بھی نگرانی کرتے ہیں۔

ریاض میں جامعہ کی علمی فضا ان کو بے حد راس آئی جامعہ کے مدیر شیخ عبداللہ الترکی اور دوسرے اکابر علم و فضل سے ان کے بے حد مخلصانہ تعلقات ہیں۔ وہ حضرات بھی شیخ کے علم و فضل کی وجہ سے ان کو بے حد قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان اب سے پہلے بھی وہ آچکے ہیں اس دفعہ اصلاً تو وہ ندوۃ العلماء میں استاذ زائر کی حیثیت سے آئے تھے چند دن مولانا اعظمی کے ساتھ گذارے۔ ۱۲؍جون کو دارالعلوم دیوبند میں تشریف آوری ہوئی، طلبہ سے عام خطاب بھی کیا اور مقدمہ ابن الصلاح کا ایک درس بھی دیا۔ صد سالہ اجلاس اور اس کے مقاصد سے گہری دلچسپی ظاہر کی اور سارا وقت اساتذۂ دارالعلوم کے ساتھ علمی گفتگو اور نادر و نایاب کتابوں کی تلاش و جستجو میں گذارا۔

ان کے ساتھ اس اچانک ملاقات نے یہ یادیں تازہ کر دیں اور شیخ کی زندگی اپنے لئے ایک مرقع عبرت و بصیرت نظر آئی اور یہ سطریں قلمبند ہو گئیں۔ بلکہ سچ پوچھئے تو یہ سطریں ہرگز نہ لکھی جاتیں اگر مشفق و مکرم جناب مولانا ازہر شاہ قیصر صاحب کا مسلسل تقاضا مہمیز کا کام نہ کرتا۔

آخر میں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پیشتر رضاخانیوں کے حلقہ سے یہ صدا بلند ہوئی تھی کہ ندوہ کے جشن تعلیمی کے موقع پر شیخ نے مولانا احمد رضا خان کے بارے میں کسی نجی ملاقات کے اندر تعریف و توصیف کے کچھ کلمات ارشاد فرمائے تھے۔ اور عام عربوں کا یہ تاثر بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ احمد رضا خاں صاحب کی تصانیف کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، عربوں کے عام توحید پسندانہ ذہن سے یہ بات نہ صرف یہ کہ قطعی بعید تھی بلکہ عالم عرب سے وابستگی رکھنے والے ہر شخص کی نظر میں غیر واقعی بھی تھی۔ میں نے شیخ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انکی حیرت کی انتہا نہ رہی انہوں نے نہ صرف اس نسبت کو بے بنیاد اور بے اصل قرار دیا بلکہ فرمایا کہ میں تو یہ نام ہی پہلی دفعہ سن رہا ہوں۔ لکھنؤ کے اندر فتاویٰ رضویہ کی جلدیں ضرور نظر آئی ہیں۔ لیکن وہ کتاب اردو میں تھی اس لئے میرے پڑھنے

کا بھی کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اور نہ جشنِ تعلیمی کے موقع پر کسی نے مجھ سے اس طرح کی نجی ملاقات کی تھی۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کا جو تکفیری مشن تھا اور جسطرح انہوں نے مشرکانہ اعمال و رسوم کی سرپرستی کا فریضہ انجام دیا ہے اس کے پیش نظر کسی ذی ہوش اور سنجیدہ عالم سے اسکی توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ ان کی امت میں تفریق و انتشار پیدا کرنے والی کوششوں کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا یا صالحین امت کے بارے میں ان کے رویہ اور موقف کی بقائمی ہوش و حواس تائید و حمایت کرے گا۔ پھر شیخ جیسا معتدل اور متوازن ذہن و فکر کا مالک انسان ہے جو کہ اپنے استاد سے ہر طرح کی عقیدت و محبت کے باوجود زیادہ غلو اور انتہا پسندی پر مبنی افکار و نظریات میں اپنا موقف الگ ہی رکھتا ہو، اس کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ کوثری سے شیخ کو عقیدت ہزار سہی لیکن امام ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کے بارے میں انہوں نے ہمیشہ اپنا رویہ شیخ سے الگ رکھا اور ان دونوں ائمہ کی عبارتوں سے اپنی تعلیقات کو مزین کرنے میں کبھی تامل نہیں کیا اور اپنی کسی کتاب میں اس موقف کی تائید نہیں کی جو ان کے شیخ کا اپنے علم و مطالعہ کے نتیجہ میں تھا، البتہ علامہ کوثری کیلئے اپنے علم و مطالعہ کی روشنی میں اسکی گنجائش بھی مانتے رہے۔ اس بات کی وضاحت بھی خود شیخ نے اپنی کتاب کلمات فی رد اکاذیب و افترامات میں کر دی ہے۔ دعا ہے کہ امت مسلمہ شیخ کے وجود سے تا دیر منتفع ہوتی رہے۔ ■